

پر سوکی تیلی ہے، سچی سچی بتا کون ہے۔ ”

سکیراں ہنسنے لگی اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی ”کوئی نہیں، قسم قرآن کی کوئی نہیں، اس بستی میں کوئی آدمی ہے ہی نہیں، سب آکے باکے ہیں۔ ”

منہے بیبل نے مندی کے پیر پکڑ لئے اور کہا۔ ”لے پھر تو میرا بھائی نہیں، تجھے وارے شاہ کے کلام کی مادر پڑے جو مجھے گرنہ بتائے۔ ”

مندی نے کہا۔ ”چاچا! کیوں گنگار کرتا ہے۔ عورت ذات بیبر تو ہوتی نہیں کہ بھگوان پیٹ کر اور سرک پھیر کر جال میں پھسا دیا، یہ تو..... ”

منہے نے کہا۔ ”بس بس کوئی ایسا ہی گر بتا جیسے سرک پھیر کر میرے پکڑتے ہیں۔ رشوت دے کر موگھا حلواتے ہیں۔ ڈھانی ڈال کر پھیر الدو کرتے ہیں اور صاحب تجھے نیکی دے، لیئے ہوئے آدمی پر گنداسی سے وار کرتے ہیں..... کھڑے پر بلم سے بس تو اپنا پڑھا لکھا و چار، کوئی ایسا ہی ہتھیار بتا۔ ”

مندی نے کہا۔ ”تو پھر تو چاپے حنفیے سے بات کر۔ ”

منہے نے ذرا سوچ کر کہا۔ ”اس سے تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ ”

”اس سے ڈر لگتا ہے تو سکیراں سے من کی بات کہہ دے۔ ”

”سکیراں سے!“ منہے نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ”توبہ توبہ۔ میرے بابے کی بھی توبہ۔ ”

مندی نے ہس کر کہا۔ ”تو پھر ویر میرے! پہلوانی چھوڑ کر مدرسے پڑھنے بیٹھ جا! آپ ہی چلت لگ جائے گا۔ ”

منہے نے غمگین ہو کر کہا۔ ”دیکھ لے تو میرا بھائی تھا اور بھائی بھائی کا بازو ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھوتا ہے پر تو میری مدد نہیں کرتا۔ ”

مندی نے کہا۔ ”بیبا! بھائی تو میں اب بھی ہوں پر تم ہی..... خیر آج چاچا شر سے آجائے تو میں اس سے بات کرتا ہوں۔ ”

منہے نے اس کے گھٹنے پکڑ لئے اور بولا۔ ”خدا کے لیے ایسا نہ کرنا نہیں تو میں ایڑیوں کو

تحوک لگا کر بھاگ جاؤں گا۔ ”

مندی نے کہا۔ ”منہیا وقت وقت کی بات ہے۔ ایک وقت گزری پھانسی کا پھنڈہ بن جاتی ہے۔ ایک وقت پاؤں پر رکھ دینے سے جان بچا دیتی ہے۔ سیانوں نے کہا ہے کہ ہتھیار وہی جو ویلے سر کام دے جائے۔ یہ کنگ بھی ہتھیار ہے ہور میرزا صاحب اب بھی ہتھیار ہے۔ یہ پھٹا پرانا سیف الملوك بھی ہتھیار ہے۔ جو موقع پر کام دے وہی ہتھیار۔ اور جس وقت کچھ بھی پاس نہ ہو تو ہتھیار کا نعرہ بھی ہتھیار۔ ”

منہماںبل ہنس پڑا اور مندی کا تفسخ اڑاتے ہوئے بولا۔ ”واہ گو، وجی واہ! قصہ مرزا صاحب اب ہتھیار، قصہ سیف الملوك بھی ہتھیار، سیدوارے شاہ تو کوئھا کانزوں کا لکھ کر بھاگ بھری گھرنہ لاسکا۔ اور ہمارے گورو کے ہتھیار پوچھیاں واہ گورو جی وجیا۔ ”

اگلے دن منہبے یبل نے کھیت میں سکیراں کو خدا جانے کیا کہہ دیا کہ اس نے بات کا جواب دیئے بنا پسلوان کے منہ پر زور سے لپڑ مارا اور پسلوان بے عزتی کے ڈر سے گاؤں چھوڑ کر اللہ جانے کماں بھاگ گیا۔ جب یہ بات جن ہالی کی زبانی گاؤں پہنچی تو باگونے گھپھری سے چتلی گڑی کے انڈے پر لکھوا یا ہوا منتر کنوئیں میں پھینک دیا۔

شام کو جب مندی پھٹا پرانا قصہ سیف الملوك بغل میں دبا کر منہبے کی تلاش میں گاؤں سے باہر نکلا تو کیکروں کے پیچھے بر سیم کے کھیت میں اسے سکیراں نظر آئی۔ وہ شنالے کا بھروٹا اٹھا رہی تھی۔ جب اس نے گھنہاٹھا کر سر پر رکھ لیا تو مندی نے جا کر اس کی بانیں پکڑ لیں۔ بھروٹا کھیت میں گر گیا اور اس ڈمگ گاہٹ میں پسلے سکیراں ہرے ہرے شنالے کے بستر پر گری اور پھر مندی۔ سکیراں نے چیخ مار کر ”چاچا“ کہا تو مندی آہستہ سے بولا ”رولا کیوں کرتی ہو۔ میں تو یہ پوچھنے آیا تھا کہ تیرا چاچا ثم جوت کر شر گیا ہے کہ نہیں؟“ ”ہاں“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

مندی نے کہا۔ ”اوہ مجھے یاد نہیں رہا۔ چاچے کو بارہ آنے دے دیتا تو میرے لئے شر سے قصہ جنگ نامہ زیتون لے آتا۔“

سکیراں نے مسکرا کر کہا۔ ”ہائے میں تو ڈر گئی کہ اللہ جانے مجھے دھکا کیوں دیا۔“
مندی بولا۔ ”اگر میں کریے و کاندار سے کہتا تو مجھے روپے میں لا کر دیتا اس لئے میں
نے سوچا کہ چاچا حنفیاروز شر جاتا ہے اس سے کیوں نہ منگواؤں۔“
سکیراں نے کہا۔ ”چاچے کو تو شر گئے گھنٹہ ڈیز ہ گھنٹہ ہو گیا اور وہ دو تین گھنٹوں سے
پہلے نہیں آئے گا۔ تو پہلے آتا تو.....“ پھر اس نے ماٹھے پر بل ڈال کر کہا
”اڑیا! ہاتھ تو چھوڑ میری بانہ مروڑی کھا گئی ہے۔“
مندی نے ایک کھینچا مار کر سکیراں کو کھیت میں گرا لیا اور پکا منہ کر کے آکھیا ”فقیروں
کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتے سکیراں، دل سے دل جوڑ کر بیٹھتے ہیں۔ سوال کو پدا یا نہیں
کرتے، سوال پورا کرتے ہیں۔“

سکیراں اپنا منہ اوپر اچا کے بولی ”میں کی جانوں تیرا سوال کی اے“
مندی نے کہا ”بس اک ای سوال ہے شر سے جنگ نامہ منگوادے میرے نال صلح کر
لے۔“

سکیراں گٹھھی سی بن کر اس کی کچھڑ میں اس طرح سما گئی جیسے کپاہ کے ٹینڈے میں
پھولی پھولی روئی!



بیالی چک میں سپید پوش کے گھر ایک پچھیری تھی کہ نہیں تھا۔ ارد گرد کے چور اور رسے گیر باری باری اپنی قسمت میں قدم دھرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ادھر کھیتوں میں چھالاں مارتی اور بر ساتی نالوں کا پانی پیتی بو سکے صاف ستھری کہ پنڈے پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ آہٹ پاک بال برابر جگہ ان میں باقی نہ رہتی۔ چلتی تو لس لس کرتے مار مار کر ڈوبتی ابھر تھیں۔

گازی، پچلا اور بمبو، چک سیداں کے نامی چور تھے، پر مل کر دھاڑا مارتے تو مال میں سے ایک آدھ جانور بیچ کر حصہ نہ دیتے۔ جا گیردار ان کی اس بدماشی سے واقف تو اگلوانا۔ جانتا تھا کہ آدمی کام کے ہیں اور اس زمانے میں مدرسے کھل گئے ہیں، ایسے آدمی ہور نہیں مل سکیں گے کا گوکی مونچیں ابھی پھوٹی ہی تھیں کہ دریا پار جا کر ڈاچی اس طرح اڑا لایا تھا جیسے ڈب میں چلم بھر تھا کوچھ ڈاچی جا گیردار کی نذر کی اور حصہ لینے سے انکار کر دیا

چیچک مال

ساری ریاست میں اس کا جوڑ
ت آزمائی کر آئے تھے، پر حولی
کاٹھیاواڑی پچھیری شالے کے
لی کا تھان بنتی گئی۔ کھال ایسی
ردونوں کنوتیاں یوں جوڑتی کہ
وجود پر دھوپ چھاؤں غوطے

ب تھے بے ایمان۔ کئی بار تمیوں
خود ہی کھا جاتے اور جاگیردار کو
تھا پر زور زیادتی کر کے مال نہ
س جب گاؤں گاؤں بستی بستی

آباد کاروں کی ایک ہیرے جیسی
پالایا ہو۔ اس نے آتے ہی یہ
جاگیردار نے بھرے ڈیرے

میں گاگو کو شبابش دے کر کہا، ”قسم قرآن کی جیکر تو پانچ جانور اسی طرح اور لے آیا تو گازی اور پھلے کے ہاتھوں تیرے سر پر پکڑی بندھوا دوں گا۔“ گازی نے شرمندہ ہو کر اور سرجھا کر آکھیا تھا ”سائیں یہ لے آئے گا۔ اس خزیر کا ہاتھ بہت صاف ہے۔ مال پر رندہ پھیر سکتا ہے۔“ جب خزیر کا صاف ہاتھ ہر ایک نے مان لیا تو گاگو چور برادری میں رل گیا اور اس کی ماں نے بھرے وقت مگن منا کے ساری بستی میں مکھانے تقسیم کئے۔

چاروں یادِ ادھی رات ویلے کام پر نکلتے تو بہبو بیالی چک والی پچھیری کا ذکر ضرور کرتا۔ پھلا کھتا، ”بہبو بھولیا! میرے تیرے بھاگوں میں وہ پچھیری نہیں ہے سوھنیا۔ وہ تو بادشاہوں کی سواری ہے۔ سرداروں کا مال ہے۔ تیرے جیسا کالے منہ والا تو اس کی ہوا کی طرف بھی نہیں دیکھ سکتا۔“

بہبو ٹھنڈی ساہ لے کے آکھتا ”جج ہے سونیا، سچ ہے، پر کتاب دل ہے نا، اس لئے خیال آ جاتا ہے۔“ گازی نہیں کرتا ”ہور سنو۔ گنجی کبوتری مخلوں میں آنا۔ بھلا تو کیا اور تیری اوقات کیا!“

”ہے تو پچھیری نا۔“ گاگو انتکمال سے کہتا، ”چار سو کی نہ ہو گی ہزار کی ہو گی“ ”پچھیری!“ گازی حیران ہو جاتا، ”چنان! خالی پچھیری ہوتی تو ہم اس تے دھار بھی نہ مارتے۔ پر یہ ہور قسم کا جانور ہے۔ حضرت جی کا براق، مولا علی کا دلدل، مرزا کی بکی، دلے کی نیلی۔ چنان؟ ہنرمند پچھیری ہے۔ سینت سمجھ کے بھلی ہو جاتی ہے۔ بکھی بھار ہو کے تیرے آگے نکل جاتی ہے۔“ پھلا بات کاٹ کر کہتا۔ ”چاچا چھوڑ سب باتیں، کوئی پچھیری ہے، میار ہے میار۔ شاہ جوان، توت کے ڈالے جیسی مددگر!“ اور گاگو چڑکر کہتا ”پر دکھاتے تو ہے نہیں، شاہ جوان میار۔ منہ زبانی توت کا ڈالا کون توڑ لائے۔“

پر اب پچھیری پار سال سے بیالی چک میں نہیں تھی۔ سفید پوش نے اسے اپنے ایک یار کے پاس سرکاری علاقے میں اپڑا دیا تھا اور وہ اسے گھوڑ دوڑ کے لئے تیار کر رہا

تھا۔

گاگو چور تو براستھرا تھا، لیکن ایک عیب اس میں بڑا بھاری تھا کہ وہ اپنے یاروں کی طرح بے ایمان نہیں تھا۔ جتنا مال چر اتامارے کا سارا سائیں کے پاس لے آتا۔ حصہ مل جاتا تو خوش نہ ملتا تو متھے تے نہ تیوری نہ کوئی لکیر۔ پر سفید پوش کی پچھیری کی باتاں سن سن کے اس کا جی بھی بے ایمان ہو گیا تھا۔ اور وہ پچھیری کو اکیلا ہی اڑا لینا چاہتا تھا۔ پر اس گنی جانور کا مالک بننے کے لئے گاگو کو اپنا گاؤں چھوڑنا پڑتا تھا، کیوں جو جاگیردار اپنے ہوتے ہوئے ایسی لالوں کی لال کسی کمیں کے قبضے میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور اپنے باپ دادا کا گاؤں چھوڑنے پر گاگو رضامند نہیں تھا، اس لئے کہ اس کے پچھے اس کی بذھی ماں اور جوان بہن بے آسرارہ جاتی تھیں۔

گاگو کام تھوڑا کرتا تھا پر اس کی آدر سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ آج تک اس نے ٹنوار ڈاپی کے سوا کسی اور جانور پر ہاتھ صاف نہیں کیا تھا۔ ڈھیلے متھے جانور کا رسہ اس نے کبھی پکڑا ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس ترت پھرت چیز کا عاشق تھا کہ کھونے سے کھلی اور ساتھ چلنے پر فٹ تیار ہو گئی جیسے دن بھر اس کی راہ چتارتی رہی ہو۔ ایک بار بد قسمتی سے بھینس چڑانے کی پڑتا اس کے گلے آپڑی تھی اور وہ بھی زبردستی اور بالکل زور ازوری۔ گھنٹہ بھر کی محنت کے بعد جب دیوار پھاڑ کر وہ کوٹھے میں داخل ہوا تو وہاں صرف ایک بھینس ہی بندھی تھی۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ پینک ماری لوٹھ کو دفع کرو۔ لیکن پھر خیال آگیا کہ ساتھی کیا کمیں گے، گاگو خالی آگیا۔ جتنا وقت کاندھ میں چھیک لگانے میں لگتا تھا اس سے دو گناہ بھینس کو تھاں سے اٹھانے میں لگا۔ ساری راہ آر سے ٹھوکے دے دے کر اس نے پنج کلیاں کو خونا خون کر دیا۔ مگر اس کے قدم اپنے حساب مطابق ہی اٹھتے رہے۔ آدھے پینڈے بعد اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بے بھینس کو سلام کیا اور نمر کے کنارے آکر ساتھیوں سے کہا، ”واسطے اس رب کے پھیر کدی ایسی جگہ نہ بھیجننا۔ قسم قرآن کی چلتی ہی نہیں۔ پتا نہیں کیا چیز ہے! جاؤ اپنی ماں کو جا کر سماں لو کالے ٹبے کے نیزے چھوڑ آیا ہوں“۔ تینوں یار چھالیں مارتے کالے ٹبے کی طرف ہوا ہو گئے۔

سردیوں کی اجال پا کر راتیں گزر گئیں تو گاؤں کو بخار آنے لگا اور وہ دو تین دن تک منجی پر پڑا رہا۔ رات کے وقت چاروں یار اس کے گھر میں مجلس جماعتے اور پرانے مارکوں کی یاد تازہ کرتے۔ ایک شام بہبود خبر لایا کہ سفید پوشان کی پچھیری بیالی چک واپس آگئی ہے اور اس نے اپنی آنکھوں سے اسے نیا میں میں چرتے دیکھا ہے۔ گاؤکے کئے پر گازی اور پھلا اگے دن بات کا جھوٹ پچ معلوم کرنے بیالی چک گئے۔ دوبہر دیلے واپس پنج کے اوہناں خبر کی تصدیق کر دیئی۔ گاؤکو پورا آرام تو نہیں آیا تھا پر خیر اچھی طرح چل پھر سکتا تھا۔ وارتا پنجتے ہی تیاری پکڑنے لگا کہ آج رات ہی چلیں گے اور صبح تک اگر پچھیری میری جانگھوں میں نہ آئی تو گاؤں واپس نہیں آؤں گا۔

رات ہوئی اور چاروں یار خوب اچھی طرح نماد ہو کر، نیاز دے کر اور جائیدار سے مل کے کام پر چالو ہو گئے۔ سورے سے آسمان پر بدلتے ہوئے تھے اور اس وقت ٹھنڈی واصل رہی تھی۔ گازی ہولے ہولے کہہ ریا تھا۔ ”اور با! کوئی پچھیری ہے، کوئی پچھیری ہے، بس یہ سمجھ لے گاؤکہ خان شمیر کی بسن صاحب ہے۔ کوئی ایال ہے، بس شاہ پری بال کھولے سوچاں سوچ رہی اے کہ مینڈھیاں کروں کہ نہ کروں!“

بہبود نے کہا ”پنڈا ایسا جس طرح جنی نما کے پھلکاری لپیٹ لے اور.....“

پھلا آکھن لگا ”قسم اللہ مولا کی اس پچھیری کے سامنے گھر والی کیا شے ہے۔ وہ تو چھ سرکار نے ایک سنگار کی چیز بنالی ہے میں ہر کوئی دیکھے۔ جس گھر میں قدم رکھ دے، سونا ہی سونا ہو جائے۔ بڑی بخت آور چیز ہے یہ پچھیری“۔

گاؤ نے کہا ”لے پھر اس بخت آور چیز کی راس سب سے پہلے تیرے ہاتھ میں دوں گا۔“

پھلے نے کابلا ہوئے اسے دونوں بانسوں میں لے لیا۔ ”جیتا رہ میرا ویر! سگا ویر!“

پھر گاؤ نے پلٹ کر گازی سے پوچھا ”چال کیسی ہے؟“

”چال!“ تینوں ایک ساتھ بول انھے۔

گازی نے کہا ”تجھے بتایا تھا، پریوں کے ساتھ ذانس کرتی ہے، بازوں کے ساتھ شکار

کھیلتی ہے۔ تو اب پھر پوچھ رہا ہے۔ ”

”پھر نحیک ہے،“ گاگو نے خوش ہو کر کہا، ”ایسا ہی مال چاہئے۔ ڈھیپک مال پر مجھے بڑا گسٹ آتا ہے۔ ایک تو جلدی ہوتی ہے، تیز طرار جانور مل جائے تو روح طرارے بھرتی ہے۔ پر جو کدی ڈھیپک مال بخنان پھٹا مل جائے تو آدمی نہ زندوں میں نہ مروں میں!“

بہبو نے ذرا مسکرا کر کہا ”جس ہے بیبا، تیرے قدم آری ہیں۔ آگا پیچھا سب صاف ہیں۔ جوانی جو ہوئی!“

گازی، بہبو اور پھلا تو اجڑے شیشیں کی کوٹھڑی میں لک کر بیٹھ گئے اور گاگو اکیلا معمر کے تے گیا۔ بسم اللہ پڑھ کے اور پیر استاد کا نام لے کے اس نے کوٹھے کی اینٹیں اکھاڑنا شروع کیں۔ ایک جوانی کا زمانہ، پھر باپ دادا کا پرانا پیشہ، اینٹیں پکے آموں کی طرح آپی آپ اتراتر کے اس کے ہاتھوں میں آنے لگیں۔ جب آر پار بلی گزرن ہار موکھا ہو گیا تو اس نے اپنی بانہہ لمبی کر کے اندر ادھر ادھر ہاتھ پھیرا۔ پچھیری پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی ایال زمین پر ایسے بکھری ہوئی تھی جیسے روئی میار گھڑے تے سر رکھے بیٹھی ہو۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ خان شمیر کی بمن کی زلفیں کیا ہوں گی! تھوڑی سی اینٹیں اور اکھاڑ کر جب وہ بکھی کے بل اندر داخل ہوا تو ایال پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے اس کی انگلیاں سات پر دوں والے ایک گیند پر جا پڑیں اور اس نے آہستہ سے اپنے آپ سے کہا، ”یہ کیا؟“

”بلو گزارا!“ ویسی ہی ہلکی آواز نے جواب دیا اور پھر اس بلانے گاگو کو دونوں بانسوں میں جکڑ لیا۔ گاگو نے کہنیوں کے سارے اٹھنے کی کوشش کی تو بلو گزرے نے کہا، ”بیبا یہ پچھیری کوئی کرموں والا ہی لے جائے گا۔ کیا تو کیا تیری سور متالی!“

اور حالی یہ بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ گاگو نے ایک زور ہور لگایا اور پھر عیسیٰ رہ گیا۔

بلو گزرے نے کہا، ”مکھن کھایا ہے بیبا! مکھن!“ یہ بات سن کر گاگو نے زور سے بدن

جو جھنکا تو بلو گز نیچے آگیا۔ گاگونے اس کی دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر زور سے کھینچا تو کتنی ساری چوڑیاں ایک ساتھ ٹوٹ گئیں۔ چوڑیاں ٹوٹنے پر باقاعدہ کشتی شروع ہو گئی۔ دونوں بورے پرالی پر ادھر ادھر اتھل چھل ہو رہے تھے۔ اس ہاتھا پالی سے گھابر کر پچھیری اندر ہیری کو ٹھنڈی کے کونے میں دبک گئی اور تھر تھر کانپنے لگی۔ اچانک بلو گزرے کے ہاتھ باندھ بھر لیا موسٹ سرے والا سریا آگیا۔ اس نے نیچے پڑے پڑے ہاتھ گھما کر گاگو کے سر پر کیل کا موٹا سرا دے مارا۔ خون کی ایک دھار بسہ نکلی اور گاگو کی پکڑ ڈھیلی ہوتے ہوتے بالکل چھوٹ گئی۔

جب اسے ہوش آیا تو اس کے ماتھے پر ایک پٹی کس کے بندھی تھی اور اس کا سربو سکی کے تھان پر پڑا تھا۔

بلو گزرے نے چکار کے آکھیا ”اٹھ چنا! نمیں تو کوئی آجائے گا۔“

گاگو من من کر کے بولیا ”مجھے پسلے ہی بخار تھا اس پر تو نے ما تھا پھوڑ دیا، باہر نکل کر اکیلا کیسے چلوں گا کسی آسرے کے بغیر“

”میں جو تیرے ساتھ چلتی ہوں۔“ اس نے ہولے سے کہا۔ ”تو باہر تو نکل“
ہرے ہرے کھیتوں میں چلتے ہوئے جب وہ گاگو سے دو قدم آگے نکل جاتی تو پلٹ کر کہتی ”تو آدمی ہے کہ ڈھیچک مال؟..... جلدی جلدی قدم اٹھا چنا! راہ کھوئی ہوتی ہے!“

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا رہا اور گازی، پھلا اور بمبوا جڑے سیشن کے ٹوٹے کوٹھے میں اس کا انتظار کرتے رہے۔



ضابطے کی کارروائی

جد موقع تھا اور ضابطے خان کو چھٹی کی ات خدا کی لوز تھی۔ کپتان صاحب صاف انکاری ہو گئے کہ جوانوں کو سکھلائی کے ٹیم ایم ٹی کا کوئی نایک چھٹی نہیں جاسکتا اور اس ویلے جب ضابطے خان کو بوث پیٹی چمکا کے چھاؤنی کی سڑکوں پر ذرا شوبناکے گھونٹے کا وقت ملا تو صاحب نے اس کو دفتر میں بلا کے آپی بول دیا کہ ہفتہ دس دن بھانویں جتنی چاہو چھٹی مل سکتی ہے۔

ضابطے خان نے ایڑی جوڑ، پنجے کھول، دونوں مٹھیاں جانگھوں کے ساتھ کس کر کپتان صاحب تے کہنا چاہیا ”صاحب اپنے یار متاب ٹیڑی کا بیاہ ہوئے دو میں ہو چکے، اب گئے نہ گئے ایک برابر ہے“ پر وہ ڈپلن کے ڈر سے بول نہ سکا اور سلوٹ مار کر بولا۔ آپ کی صربانی صاحب ہم کل سوریے چھٹی رپورٹ بول کر جائے گا اور دو ہفتے بعد آکر حاضری بول دے گا۔ پھر صاحب واپسی پر ہم کو دوسری کمپنی میں چانس ضروری ملنا چاہئے۔“

کپتان صاحب اس کی گل کا کوئی جواب نہ دیا اور ہتھ کی سینٹ مار کے کمرہ خالی کرنے کا کاشن بولیا اور فائل دیکھنے لگے۔ ضابطے خان سلوٹ مار کے اوی تے گھومیا اور دفتر سے باہر نکل گیا۔

کوئی دس بجے کے نیڑے وہ مندرہ سیشن تے اتریا۔ بوٹوں پر رومال پھیریا۔ کٹ بیگ کی پیٹی کس کے بندھی اور بستی کی طرف ڈبل لگادی۔ سیشن سے اس کا گھر مشکل سے آٹھ میل ہو گا۔ پر اونچے نیچے پینڈے نے ضابطے کو آدمی راہ بعد ہی تھکا دیا اور وہ اکھڑی کھری والی خچر کی طرح قدم قدم چلنے لگا۔ ضابطے خال سوچیا کتنا اچھا ہو اگر متаб اس کو سوکڑنالے پر اپنے کھیت میں موںگ پھلی کی سندی مارتا مل جائے اور وہ اس کی اکھیاں تے ہاتھ رکھ کے اس کی منتگمری پر لات مار کر بنا بولے پوچھئے، ”بھلا کون؟“ اور متاب ٹیڑی اس کے نال امر بیل کی طرح پٹ جائے۔ ضابطے کو یہ سوچ کر ہنسی آگئی اور پورا تیقن ہو گیا کہ متاب ضرور کھیت میں ہو گا۔ وجہ یہ کہ اس نے آخری کارڈ میں لکھا تھا کہ وہ سارا دن موںگ پھلی کے بوٹوں پر سندی مار دوا چھڑ کر رہتا ہے اور شام کو اس کی دی ہوئی کنڈم نیکر پہن کر اپنی صباجر گھر والی سے کیڑی کاڑا کھیلتا ہے۔ کیڑی کاڑا اس لئے کھیلتا ہے کہ اس کی بیوی کی عمر ابھی پندرہ برس کی نہیں ہوئی۔ ضابطے نے کٹ بیگ کو اوپر کھینچا اور پھر بھانگنے لگا۔

سوکڑنالے سے تھوڑی دور پسلے ضابطے نے دیکھا موںگ پھلی کے کیڑے مارے جا رہے تھے اور متاب ماتھائیکنے والوں کی طرح بھوئیں سے لگا بڑے دھیان سے ایک ایک کو لمیا میٹ کر رہا تھا۔ ضابطے خال سانہ روک کے بیل کی طرح ہو لے ہو لے قدم انھانے لگا کہ جاتے ہی ٹیڑی کی منتگمری پر لات مارے گا پر ابھی وہ نالے میں سے ہو کر دوسرے کنارے پر بھی نہ پسخچا تھا کہ کھیت میں جگکی ہوئی میلار اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اک نگاہ مار کے ضابطے کی طرف دیکھا اور آگے ہو کے اپنا گھر اٹھانے لگی۔ اتنے میں ضابطے خال اس کے نیڑے پنج گیا۔ لڑکی کے دونوں ہاتھ پانی سے بھرے ہوئے گھرے میں تھے اور اس کے بھیگے ہوئے جھگٹے کا کنارہ گھرے کے ساتھ چٹ گیا تھا۔ ضابطے نے ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہا۔

”میں انھوادوں؟“

لڑکی نے ہاتھ گھرے سے باہر نکال لئے اور پر لے کئے منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔ اس کی بانسوں میں لال چوڑیاں تھیں، انگلیوں پر مہندی کے چھاپے تھے پر عمر پندرہ برس سے زیادہ تھی۔

ضابطے نے سینڈے لی ہو کر پوچھا "ادھر کیوں آئی تھی؟"

لڑکی نے سالو متھے تے سخنچ کے جواب دیا "میری مرضی۔"

ضابطے نے کہا "کوئی تیراکھیت ہے یہ؟"

"ہور کوئی تیرا ہے؟" کڑی تڑکے بولی

جس خال یہ میار گھوڑی دیر پسلے بیٹھی تھی، ضابطے خال نے اس طرف دیکھ کے کیا
"میں تھانے میں پکڑوادوں گا"

لڑکی نے پرانے واقفوں کی طرح اس کی طرف منہ پھیر کر کہا "تھانہ تو آپ پسینہ پسینہ
ہوا پھرتا ہے مجھے کدھر سے پکڑ لے گا"

ضابطے کی کٹ نیچے ڈھلک گئی۔ ٹوپی اتار کے بولیا "بستی میں رہتی ہو؟"

لڑکی نے قرمان ہو کے آکھیا "ہاں"

"مساجر ہو؟" ضابطے نے پھر پوچھا

لڑکی نے موٹی موٹی کالی بھنور اکھیاں کھول کے ضابطے کی طرف غور سے دیکھا اور نائیک
پھر کاسپاہی بن کرہ گیا۔

ملک سمندر خال کی گھوڑی کی ٹاپ سن کے لڑکی نے جلدی سے گھڑا اٹھایا اور سر پر رکھ
کر پرلی واٹ کو چل پڑی۔ ضابطے خال نائیک نے ڈنھا کہ نیلے رنگ کے لمبے ریشمی کرتے
میں لمبا سامتانی مرتبان ہوا اور اس پر پانی سے بھرا ہوا ایک گھڑا جادو کے زور تے چلے جا رہے
ہوں۔

ملک سمندر خال نے دور سے ضابطے خال کا نام لے کر ایک نعرہ مارا اور گھوڑی کو ایڑا گا
کراس کے نیڑے پہنچ گیا۔ ضابطے خال نے بے اختیار گھوڑی کے گلے میں بانسیں ڈال دیں
اور اس کے پسینے سے بھیگی ہوئی گردن پر منہ رکھ دیا۔ سمندر خال نے پیار سے ضابطے کا سر
تھپکایا اور شکایت کرتے ہوئے کہا "شتاباش تیرے مرد ہو تو ایسا ہو جو اپنے یار کی شادی پر
بھی نہ آئے۔"

ضابطے نے پکھے ہو کے کیا "چاچا چھٹی ہی نہ مل سکی میں کیا کرتا؟"

ملک نے اس کی کٹ پر ہاتھ مار کر کہا ”جو نیت سو مراد ضابطے خال، تو دل سے چاہتا تو سب کچھ ہو جاتا، پر خیر۔“

ضابطے نے بات بد لئے کی خاطر ملک کے دونوں کندھے پکڑ لئے اور بڑے پیار سے پوچھا ”بستی میں سب راضی خوشی ہیں چاچا؟ متاب تکڑا ہے؟“

ملک نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا ”سب خیر خیریت۔ اللہ کا فضل پر متاب جملم گیا ہے۔ کوئی چرانی بھرائی کا کام ہے۔“

”کب تک آئے گا؟“ ضابطے خال نے بے چین ہو کر پوچھا۔

”جمعہ کو کہہ گیا تھا۔“ ملک نے کہا ”پر پتہ نہیں“

”جمعہ تو پرسوں ہے۔“ ضابطے خال نے کہا۔ ”صحح آئے گا یا شام؟“

”شام کو کہہ گیا تھا۔“ ملک شک ظاہر کر کے بولا ”پر پتہ کچھ نہیں۔ میں آج رات مندرے رہوں گا۔ کل پنڈی تاریخ پر جانا ہے۔“

”اللہ حافظ چاچا“ اور سپاہی سر جھکا کر بستی کی طرف چل پڑا۔

چاچے چاچی کو پسلے ہی شکایت تھی کہ ضابطا جب سے افسر ہوا ہے سیدھے منہ گل ہی نہیں کرتا۔ اب کی بار گاؤں والوں کو بھی شک پڑ گیا کہ ضابطے خال میں بڑا بندکار آگیا ہے۔ اول تو کسی سے بولنا نہیں اور جو بولتا ہے تو بس اوپرے جی سے گل بات کرتا ہے۔

اچھا بھلا ایم ٹی کا جوان، کپتان صاحب کا پیارا، رنگیلا بھیلا ضابطا بھیگے کرتے والی لڑکی سے مار کھا گیا۔ سوریے تڑکے گھر سے نکل کر سوکڑ نالے کی راہ پر جا بیٹھتا کہ شاید درشن ہو جائیں مگر توبہ جی، اک بدری درشن دے کر پماڑ پر چڑھ جاتی ہیں۔ درشن کرنے جاؤ تو اونچی ماڑیوں میں بیٹھ کر باریاں بھیڑ لیتی ہیں۔ ضابطے خال کا جی بیزار ہو گیا اور اس نے سوچا کہ آج ہی چھٹی کٹوا کر واپس پلٹن میں پہنچ جائے۔ چاچی چاچا اٹھتے بیٹھتے ہٹنے مارتے تھے۔ بستی والے الگ طعنے دیتے تھے۔ پر ضابطے خال کے دل میں اک ہور دھڑکا لگا ہوا تھا جسے وہ اپنے آپ پر ظاہر کرنے سے پتے کی طرح کا نپتا تھا۔

جمعہ کی شام جب وہ سوکڑ نالے کے کنارے ایک ڈھیری پر بیٹھا ہوا تھا، اسے دور سے

متاب آتا ہوا دیا۔ ضابطے خاں نے چاہا کہ ساتھ کے کھیت میں کو فلاج لے کر چھپ جائے اور جب متаб پاس سے گزر جائے تو سیدھا شیشن کی طرف ڈبل لگا جائے پر اس سے ایسے ہونہ سکا اور متاب نیزی کیکڑے کی طرح اپنی نیچی زمین تے کد کڑے مدت آکر امر بیل کی طرح ضابطے کے ساتھ لپٹ گیا اور اس کی مشکمری پرلات مار کر بولا ”خنزیر مجھے کارڈ کیوں نہ ڈالا کہ آ رہا ہے“

ضابطے نے نہس کر کہا ”یار چھٹی کا کوئی بھروسہ ہی نہیں تھا۔ صاحب نے ایک دم آڈر یوں دیا میں خط کس ٹیم لکھتا۔“

متاب نے پوچھا ”اپنی بھانی ستملے ہو؟“
ضابطے خاں سسم گیا اور گلا صاف کر کے بولا ”تیرے بغیر کیسے مل لیتا! تو آتا تو اس کے ساتھ ٹھٹھا مسخری کا کوئی پروگرام بناتے۔“

متاب نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زور سے کھینچتے ہوئے کہا ”چل پھر ابھی چل۔“

ضابطے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا ”پسلے میری ایک بات سن لے۔“
”بول!“ متاب رک گیا۔

”میری مدد کرے گا؟“ ضابطے خاں نے پوچھا۔

متاب نے اس کے سر پر سوکھے سے ہاتھ کا دھپا مار کر کہا ”کچھ پھوٹ تو سسی“۔
ضابطے نے کہا ”پرسوں جب میں دس کی گاڑی سے یہاں اترتا ہوں تو میرا خیال تھا تو کھیت میں موںگ چھلی کے کیڑے مار رہا ہو گا۔“

متاب نے کہا ”میں تو جملم گیا ہوا تھا۔“

ضابطے خاں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا ”تو سن سسی، میں اس سوکڑ نالے میں سے ہو کر کنارے پر پہنچا ہی تھا کہ تیرے کھیت میں وہاں بیٹھی ہوئی ایک میلار مجھے دیکھ کر انٹھ کھڑی ہوئی۔ اللہ جانے کیا کر رہی تھی۔“

متاب نے اس کے کندھے سے ہاتھ انٹھالیا۔

”پانی بھر کر لائی تھی۔“ ضابطے نے پھر کمنا شروع کیا ”میں نے پوچھا ادھر کیوں آئی ہو؟ منہ پکا کر کے کہنے لگی میری مرضی!“

متاب نے بے تاب ہو کر پوچھا ”کہڑے کیسے تھے؟“

”درمیانے قد کی تھی۔“ ضابطے نے جواب دیا ”کوئی پندرہ سولہ برس کی عمر ہو گی۔“

”میں پوچھتا ہوں وستر کیسے تھے؟“ متاب ذرا بتا ہو گیا۔

”نیلارٹشی کرتہ تھا اور سر پر موگنیا دوپٹہ۔“

”بانسوں میں لال چوڑیاں بھی تھیں؟“ متاب نہ پوچھا۔

”ہاں لال چوڑیاں اور ہاتھوں میں مہندی کا پھیکا پھیکارنگ۔“

”تو نے کیا کیا؟“ متاب نے ماتھے پر بل بل کر پوچھا۔

”مجھ سے تو بولا ہی نہ گیا یاد۔ حوصلہ کر کے اتنا کہا تیرا کوئی کھیت ہے یہ؟ چنگ کر بولی اور کوئی تیرا ہے؟“

متاب چپ ہو گیا اور ضابطے کو کوئی جواب دیئے بنا ہو لے ہو لے بستی کی طرف چلنے لگا۔ ضابطے خاں کے دل کا دھڑکا کلاسا یا اندر ہر ابن کر چاروں طرف پھیل گیا۔ اسی اندر ہرے میں وہ لڑکھڑا کر آگے کو ہوا اور متاب کے پیچھے جا کر اس کے کندھے کہڑ لئے۔

متاب نے ایک جھر جھری لے کر موندھوں سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ ضابطے خاں کھڑے کا کھڑا رہ گیا تو متاب نے پیچھے مڑ کر کہا ”یار کی یاری پر اختبار ہے تو چپ چاپ آ جا۔“

اس کے بعد نہ متاب بولا، نہ ضابطے خاں نے کوئی بات کی اور وہ دوسرے کے آگے پیچھے چلتے رہے۔

گھر پہنچ کر متاب نے یار کو صحن میں کھڑا کر دیا اور خود اندر کو ٹھڑی میں چلا گیا۔ ضابطے خل نے چلا کہ اب ناٹھ جائے اور پھر کبھی بھی واپس نہ آئے مگر پتھر کے سپاہی سے ہلا سکنہ

گیا۔ متاب اپنی گھروالی کو ساتھ لے کر باہر نکلا، تو ضابطے خال کی آنکھیں پھرا گئیں۔ بڑی ہمت کر کے اس نے پانچ کانوٹ جیب سے نکلا اور متاب کی طرف بڑھا دیا۔ متاب نے غصے سے کہا ”میری طرف کیا کر رہا ہے، اسے دے اپنی کچھ لگتی کو!“ اور اپنی گھروالی کا گھونگٹ پیچے کھینچ کر بولا ”سلام کر سورتھے گھری کیوں بنی جاتی ہے۔“

ضابطے خال نے متاب کی بیوی کی طرف دیکھا اور چیخ کر امر بیل کی طرح متاب سے لپٹ گیا۔ یہ متاب کے کھیت والی لڑکی نہیں تھی۔
شکر اللہ تیرا! گھپ ہنیرا دور ہو گیا اور سارے میں چاندنا ہی چاندنا ہو گیا۔



سورج ڈوبنے سے تھوڑی دیر پہلے برات ڈولی
پھولوں، بندوقوں کے پناکے سن کے ایانے اپنے اپنے
ہو کے سرے کی لڑیاں ہٹاتا جے کہے تھوکتا جاربًا تھا
کی ڈاچیاں اور گھوڑے قدم قدم چلے آتے تھے۔
جیز میں ملنے والی ڈاچی پر کجاوار کھا تھا جس میں بھی
اور ڈاچی کی لال ریشمی صدار کرموں جھیوڑ کے باٹھے
چھکاری دوہری کر کے باندھی ہوئی تھی اور نئی جوتیاں
ساتھیوں کو آنکھیں مار رہا تھا۔
بھراں کے ڈھول میں ڈاچی کی جھانجھروں کی
الفوزے کوکتے، چمنا بجتا اور پیدل چلنے والوں کے گر
سدیں مارتے چلے آتے۔ شدین کا چاچا تھوڑی تھے
طرف کر کے فیر کرتا۔ گھوڑے متکتے، بہناتے اور پھر
ڈنکا پرماتا اور جگنی والے اپنے بول اپر اٹھادیتے۔
شدین، جاگیر دار کا چھڑا بیٹا ہی نہ تھا۔ مذل پاس پتہ
تھی اس نے بھتی کی ہر ٹیار سے یاری لگائی تھی اور میں نے

رشوت

لے کے اپنے گاؤں کو چل پڑی اور
نہ گھر نہ ٹھے گئے۔ شدین گھوڑی پر اچا ہو
اور اس کے پیچھے گاؤں کے چودھروں

اور اس کی نائیں اوہلا کر کے بیٹھی تھیں
میں تھی جس نے موتیا پاٹ سے بھری
اڈب میں ازس کر بنس بنس کے اپنے

آواز مل کر دور دور تک مار کرتی۔
روہ ”بِسْمِ اللَّهِ تَبَارِيْ جَنَّتِي“ کی سریں
وڑی دیر بعد دو نالی کامنہ آسمان کی
قدم قدم چلنے لگتے۔ ڈھول تے زور کا

بھی تھا۔ جدتے شدین کو جوانی چڑھی
دو میںے گزار کے ہر ایک سے یہ کہہ کر

توڑ دی تھی کہ ”آج سے پچھے میرے تے گل نہ کریا کر نہیں تو میرے سے برا کوئی نہ ہو گا۔“ جاگیردار کے بیٹی کی یہ سناؤنی سن کے کسی کو اسکے بلا نے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔ ایک باری کپاس کے کھیت میں جب اس نے شاداں کو چھیڑا تو وہ متھے تے بٹ پا کر آکھن لگی ”ناببا! تیرا کیا بھروسہ۔ آج تیج تکا کے خوش کرتا ہے، کل کھلائی میں دھکا دے دیتا ہے۔ تمہاری یاری کا کیا اعتبار اللہ کرے میری تیری کدی نہ لگے“۔

پر شاداں بھولی میار تھی، شدین کی دارتا میں آگئی اور وہ ہر روز نیامیں میں ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ گومی کو جوان ہوتے دیکھ کر شدین کا دل شاداں سے پھرنے لگا اور وہ شاداں تے توڑنے ہی والا تھا کہ شاداں کا بیاہ ہو گیا اور اس کا گھر والا اسے ساہیوال لے گیا۔ مینے کے بعد جب اس کی واپسی ہوئی تو شدین نے شاداں کو نگہ اچا کے بھی نہ ڈھھا۔ پر اک شام نماشان دیلے جد شاداں بیلے میں جنڈ کے پتے اکٹھے کرتے ہوئے شدین کو ملی تو شدین نے گھوڑے تے اتر کر اینوں رسائی بانی شروع کر دیئی اور ان کی باتیں اتنی لمبی ہو گئیں کہ بیلے کے سارے رکھ بھیرے میں غیب ہو گئے۔ اس دن شدین کو پتہ لگا کہ نادر تو بیاہ کرانے کے بعد رسیلی ہوتی ہے، بیاہ سے پہلے تو زری پیتل کی گڑوی سی ہوتی ہے۔

گومی کی جوانی سیت کی چانی رات بن کر رہ گئی اور شاداں کے واپس اپنے ساہورے چلے جانے پر شدین نے گاؤں کی ہر بھالی، چاچی اور ماں سے باقی کرنی شروع کر دیا۔ اور ان سے اتنا نیڑے ہو گیا کہ اس نے سازی گڑویوں سے منہ موڑ لیا۔

بھالیوں اور ماں سیوں کی فرمائیں میاروں سے دس گناہ زیادہ ہوا کرتی تھیں اور ان کے گھر والوں کو خوش رکھنے کے لئے بھی شدین کو بہت سارو پیہ لٹانا پڑتا۔ جاگیردار نے جد برخوردار کو گھر پر اس طرح دھاڑے مارتے دیکھا تو اس کی شادی کر دی اور آج اس کی برات ڈولی لے کر گھر آری تھی۔

گاؤں پہنچ کر شدین کے تینوں یاروں نے اسے ایک طرف لے جا کر کہا.....